معاشرے کی راہنمائی کے لیے قرآنی اسلوبِ زندگی

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر[1]

خلاصہ:

درج بالا بحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عصرِ حاضر میں ہمارے معاشرے کے تمام جملہ پہلو اصلاح طلب ہیں۔ مضمون ہذا میں چند اہم موضوعات پر بات کی گئی ہے اور حسبِ عنوان ان پہلوؤں پر قرآنِ کریم کی فراہم کردہ راہنمائی پیش کی گئی ہے۔ آخر میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں معاشرے کے ہر ممکن مسئلہ کا حل فراہم کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عصرِ رواں میں معاشرے کی اصلاح کے لیے وہاں سے مکمل راہنمائی حاصل کی جائے تاکہ امن وآشتی کا دور پھر سے شروع ہو۔

کلیدی کلمات: قرآن کریم، امن وآشتی، معاشرہ، وحدت، شرک

معاشرہ کا مفہوم:

لفظ معاشرہ کا مادہ 'ع ش ر' ہے۔

معاشرہ عربی زبان کا لفظ ہے اور مفاعلہ کے وزن پر مصدر ہے، جس کے معنی باہمی میل جول کے ہیں۔[2] عاشر القوم کا معنی قوم میں سے دسواں اور عاشر، یعاشر، معاشرہ کا معنی مل جل کر رہنا۔ عشیرہ انسان کے رشتہ داروں کی جماعت کا نام ہے جن سے انسان کثرت حاصل کرتا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ

---

[1] یونیورسٹی آف سرگودھا، لاہور

[2] ظفر، عبدالرؤف، ڈاکٹر، عصرِ رواں سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں (لاہور، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۱۲ء) ص: ۳۳۔

[3] الراغب الاصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، تحقیق: ندیم مرعشیلی (تہران، المکتبۃ المرتضویۃ) ص: ۳۴۷۔

تَعْلَمُونَ○ وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلاَئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلاَءِ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ○قَالُوا سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَا إِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ [1]

اور جب تیرے پرودگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے انسان کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں تیری تعریف کے ساتھ اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں اللہ نے کہا بیشک میں وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ آدم علیہ السلام نے سب چیزوں کے نام سیکھ لیے۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کیا اور ان سے کہا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤا گر تم سچے ہو۔ وہ بولے تو پاک ہے، ہمیں کچھ علم نہیں مگر جو تو نے دے دیا ہے۔ بلاشبہ تو جاننے والا، حکمت والا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کی رو سے زمین پر انسانی معاشرے کا قیام ایک اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے اللہ کی منشاء کو پورا کرتے ہوئے اپنے علم کی روشنی کے ذریعے کائنات کی تسخیر کرے۔ قرآن مجید کے مطابق انسانی معاشرہ کے تمام افراد نفس واحد سے پیدا ہوئے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَتَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا [2]

لوگو! اپنے پرودگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بیشک اللہ تمہارے اوپر نگہبان ہے۔

مزید ارشاد فرمایا:

[1] البقرہ(۲) ۳۰۔۳۲۔

[2] النساء (۴) ۱۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [1]

اے لوگو! ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا۔ اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

یعنی سب انسان برابر ہیں۔ قبائل کی تقسیم صرف جان پہچان کی سہولت کیلئے ہے۔ لیکن انسانی معاشرے کے افراد کا باہمی اختلاف انسان کی کج روی اور سرکش فطرت ہے۔

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''انسان مدنی الطبع ہے یعنی آدمی کا اپنے ابنائے جنس کے ساتھ مل جل کر رہنا جن کو حکماء اپنی اصطلاح میں مدینہ جس کو ہم عمارتِ انسانی کہتے ہیں، نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی فطرت اور صورت عطا فرمائی ہے کہ اس کی زندگی بغیر غذا کے ممکن نہیں اور پھر اس کو از روئے فطرت غذا کی جستجو کیلئے ہدایت کی اور اس کو حاصل کرنے کی قوت بھی دی۔ لیکن ہر کوئی انفرادی طور پر اس قدر لوازمات حیات حاصل نہیں کر سکتا جو اسکی زندگی کیلئے کافی ہو سکیں۔ مگر ہم کم سے کم ایک ہی دن کی خوراک فرض کریں تو وہ بھی بہت کاموں کے بغیر اس کے پیٹ تک نہیں پہنچ سکتی۔ انسان اکیلا ان آلات کو نہیں بنا سکتا جو مدافعت کا کام دے سکیں۔ کیونکہ اس غرض کیلئے بہت سے آلات درکار ہیں اور ان کے حاصل کرنے اور بنانے کیلئے کثیر التعداد مددگاروں کی ضرورت ہے۔ انہی باتوں کی وجہ سے انسان کو بالطبع اپنے ابنائے نوع کی اعانت کی ضرورت ہے، یعنی جب تک آدمی جمع ہو کر ایک دوسرے کی مدد نہیں کریں گے نہ کسی کو غذا ملے گی اور نہ کوئی زندہ رہ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی کو غذا پر موقوف رکھا ہے اور نہ آلات و ادویات کی عدم موجودگی کی وجہ سے انسان اپنی حفاظت و حراست ہی کر سکے گا۔ حیوانات بہت جلد اسے مار ڈالیں گے۔ اور دنیا میں آدمی کا نشان تک نہ رہے گا۔ لیکن اگر وہ مل جل کر ایک دوسرے کی مدد کریں تو کھانے کیلئے غذا اور دفع اعداء کیلئے سلاحِ ضروریہ بہم پہنچا سکتے ہیں اور بقاءِ شخصی اور حفظ نوعی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لیے اجتماع (معاشرہ)

[1] الحجرات (۴۹) ۱۳۔

نوع انسانی کیلئے ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ اس کا وجود کمال کو پہنچ سکتا ہے اور نہ مشیئتِ ایزدی ظاہر ہو سکتی ہے۔"[1]

ابن خلدون کے نزدیک عمران کا مادہ عمر جس کے معنی تعمیر کرنا، آباد کرنا۔ عمران کا اطلاق کسی بھی ایسی آبادی پر ہو سکتا ہے جو منفرد و حشیانہ زندگی سے برتر ہو جائے۔[2]

لہٰذا معاشرے کی اصطلاح جو ہم اکثر استعمال کرتے ہیں اس سے مراد عام طور پر ایک ایسا اجتماعی ماحول لیا جاتا ہے جہاں افراد آپس میں مل جل کر رہتے ہیں۔ یہ ایک جیسی اقدار کے حامل اور ایک جیسے مقاصد رکھنے والے افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی ایک ہی خطے کے رہنے والے ہوں۔ جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان کے عقائد ایک جیسے ہوں اور اقدار باہم ایک جیسی ہوں۔ جب کسی خاص قوم یا مذہب کی تاریخ کے حوالے سے بات کی جاتی ہے تو پھر عام طور پر اس کا نام معاشرے کے ساتھ اضافہ کر دیا جاتا ہے جیسے ہندوستانی معاشرہ، مغربی معاشرہ یا اسلامی معاشرہ۔ تاریخ میں معاشرے مختلف بنیادوں پر قائم ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً برادری، قوم، زبان، مذہب اور جغرافیائی حدود وغیرہ۔ انسانی تاریخ میں جتنے معاشرے تشکیل پائے ان میں تقریباً یہی عوامل کار فرما رہے ہیں۔ انسانی زندگی کی اجتماعی ترقی میں ان عوامل نے بہت اہم کردار انجام دیا ہے۔ انسان اپنی بنیادی ضرورتوں میں بقائے نسل اور تحفظ ذات کی طرف زیادہ توجہ دیتا رہا ہے۔

معاشرہ کی اقسام:

دنیا میں کئی انواع کے معاشرے پائے جاتے ہیں لیکن یہاں ہم ان کو دو انواع میں تقسیم کریں گے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ غیر اسلامی معاشرہ ۲۔ مثالی اسلامی معاشرہ

۱۔ غیر اسلامی معاشرہ:

غیر اسلامی معاشروں میں تکمیل ذات کے لئے محدود مذہبی رسوم اور معاشرتی زندگی کے لئے وہ رسوم اور اصول و ضوابط ہوتے ہیں جنہیں انسانی ذہنوں نے وقتاً فوقتاً حالات کی مجبوریوں کے تحت

[1] ابن خلدون، عبدالرحمٰن، مقدمہ ابنِ خلدون (بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع) جزء اول، ص: ۴۳۔
[2] ایضاً، ص: ۲۷۔

اور دباؤ کی وجہ سے ترتیب دیا ہے۔ ان معاشروں میں زندگی غیر متوازن اور عادات و اطوار غیر معتدل ہوتی ہیں اور تمام انسانی معاملات میں انفرادی، طبقاتی، قومی اور نسلی خود غرضیاں رونما ہو جاتی ہیں۔ دو انسانوں کے تعلق سے لے کر قوموں کے تعلق تک کوئی رابطہ ایسا نہیں جس میں کجی نہ آگئی ہو۔ چونکہ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر دو قسم کے غیر مسلم معاشروں نے اثرات چھوڑے ہیں اس لیے اس کو ہم مزید دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

الف۔ ہندوستانی معاشرہ　　　ب۔ مغربی معاشرہ

الف۔ ہندوستانی معاشرہ:

ہمارے معاشرے، خصوصاً نوجوان نسل نے اپنے ہمسایہ معاشرے کے اثرات بہت حد تک قبول کیے ہیں۔ اس کی وجہ عام طور پر ہمارے ملک میں کھلے عام چلنے والی ہندوستانی فلمیں ہیں جو اپنے معاشرے کی بھرپور انداز میں عکاس ہیں۔ چنانچہ ہمارا نوجوان بھی ان اقدار کو اپنانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

ہندوستانی معاشرے کی اقدار کے یہاں نفوذ پذیر ہونے کی دوسری بڑی وجہ ہمارے آباؤ اجداد کے ذریعے ہم تک پہنچنے والی غیر اسلامی رسوم ہیں جو ہمارے خمیر میں اس قدر رچ بس گئی ہیں کہ تقریباً ستر برس گزر جانے کے باوجود بھی ہم ان کو مذہبی عقائد کی طرح نبھاتے ہیں۔

ب۔ مغربی معاشرہ:

ہمارے معاشرے کو متاثر کرنے والا دوسرا بڑا معاشرہ مغربی معاشرہ ہے جو انٹرنیٹ کے ذریعے بھرپور انداز میں نفوذ پذیر ہے۔ دورِ حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی معاشرہ بہت سارے مقاصد لیے پوری قوت کے ساتھ دنیا کے دیگر معاشروں پر اثر انداز ہو رہا ہے اور اپنے مقاصد میں بھی برابر کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔ اس کے لیے وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو کہ غلط ہی نہیں بلکہ اکثر اوقات غیر فطری بھی ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں ان کا بڑا حدف مسلم معاشرہ ہے۔ فحاشی اور عریانی سے عبارت اور خراب روایات کا حامل یہ معاشرہ نوجوان نسل کے اعصاب پر سوار ہے۔ اس کا واحد حدف مسلم نوجوان ہے۔

۲۔ مثالی اسلامی معاشرہ:

اسلامی معاشرہ ایک ایسی متوازن اور معتدل زندگی کا نام ہے جس میں انسانی عقل، رسوم و رواج اور معاشرتی آداب وحیٔ الٰہی کی روشنی میں طے پاتے ہیں۔ یہ نظام ایسا جامع اور ہمہ گیر ہے کہ

زندگی کے تمام مظاہر اور حیات کی جملہ سر گرمیاں اس کے دائرہ میں آجاتی ہیں۔ الہام ربانی کے اصولوں کے مطابق معاشرے کی صحیح زندگی اس کا توازن ہے۔ جہاں کہیں پر توازن بگڑا، وہیں فساد رونما ہو گیا۔ انسانوں کی معاشرتی تاریخ اصلاح و فساد، توازن و عدم توازن کی تصویر پیش کرتی ہے۔ ہر زمانے میں فساد کو مٹانے اصلاح پر گامزن کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے پیغام توحید اور وحدتِ نسل انسانی کے تصور کی روشنی میں جو اسلامی معاشرہ تشکیل دیا اس میں رنگ و نسل کے امتیاز کی گنجائش نہیں، آپ ﷺ نے قومی یا علاقائی تعصب کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

لیس منّا من دعا الیٰ عصبیة۔ [1] تعصب کی دعوت دینے والا ہم میں سے نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت اس انداز میں فرمائی کہ انہوں نے روئے زمین پر انقلاب برپا کر دیا۔ عرب و عجم میں لوگ معاشرتی برائیوں کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں گھرے ہوئے تھے، فرزندانِ اسلام نے قریہ قریہ، بستی بستی دعوت اصلاح دی اور دین انقلاب کی صبح روشن نے ہر سو اجالا کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جو معاشرہ تشکیل دیا وہ مثالی معاشرہ تھا اور اس کی بنیاد مذہب تھی۔ یعنی توحید و رسالت کے ماننے والے جہاں بھی ہوں، خواہ وہ عرب کے رہنے والے ہوں یا عجم کے باسی، وہ ایک ملت، ایک معاشرہ کہلائیں گے۔ جبکہ اسلام کے علاوہ دیگر تمام معاشروں کی بنیاد مشترکہ مفادات، رنگ و نسل ہیں۔ اس ساری صورتِ حال کو علامہ اقبالؒ نے خوب بیان فرمایا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی!
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے ہے مستحکم جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی! [2]

---

[1] ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث سجستانی، السنن (الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۹ء) ص: ۱۰۱۰، رقم الحدیث: ۵۱۲۱۔

[2] اقبال، علامہ، ڈاکٹر، بانگِ درا (لاہور، خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۰ء) ص: ۲۹۹۔

گویا اسلامی معاشرے سے مراد وہ معاشرہ یا اجتماعی ماحول ہے جو اسلامی شریعت کا حامل ہو۔ باالفاظِ دیگر اس معاشرے کے زیادہ تر افراد اسلامی نظریۂ حیات کے ماننے والے ہوں اور اسلامی اقدار و اصول کو اپناتے ہوں۔ ایک ایسا معاشرہ اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے جہاں پر صرف قانونِ الٰہی کی اطاعت ہوتی ہو اور اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں کو مشعلِ ہدایت سمجھا جاتا ہو اور ان پر عمل کرنا باعثِ سعادت اور ذریعہ نجات سمجھا جاتا ہو۔[1]

اسلامی معاشرہ صرف اسی صورت میں اسلامی ہو گا جہاں تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو۔ جہاں کے لوگ نہ صرف اللہ اور اس کے رسول پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہوں بلکہ ان کی زندگی کے ہر رگ و ریشہ میں اسلامی اقدار کا احیاء ہو۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات غرضیکہ زندگی کے ہر گوشے میں آسمانی ہدایت کا بول بالا ہو۔ ایسا معاشرہ ہی اسلامی معاشرہ کہلانے کا حقدار ہے۔

اسلامی معاشرے کی بنیاد مذہب اسلام پر ہے۔ اور نہ صرف اسلامی معاشرے کی بنیاد میں دین محور کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اسی پر مسلم امت یا قوم کی عمارت کی بھی تعمیر ہوتی ہے۔ اسلام نے معاشرہ کی تشکیل میں جغرافیائی، لسانی، ثقافتی اور کسی علاقائی عنصر کو فوقیت نہیں دی ہے بلکہ کلمۂ حق، باالفاظِ دیگر مذہبِ حق پر اسلامی معاشرہ کی تعمیر کی ہے۔ جس نے صدقِ دل سے کلمۂ طیبہ کو ادا کیا اور اس پر عمل پیرا ہوا، وہ مسلم معاشرے کا رکن ہے۔ جیسا کہ رسول اللہؐ نے اپنے آخری حج کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا:

> انّ ربّکم واحد،و اِنّ أباکم واحد، ألا لا فضل لعربی علی أعجمی،ولا لعجمی علی عربی،ولا لأحمر علیٰ أسود، ولا لأسود علیٰ أحمر الّا بالتّقوٰی۔[2]
>
> بیشک تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

اسلام ایک دینِ فطرت ہے۔ اس نے انسان کے اجتماعی شعور کو ملحوظ رکھا ہے۔ اسلام انسانوں کے

[1] سید ساجد حسین، تعلیمی عمرانیات (کراچی، کفایت اکیڈمی، طبع چہارم ۱۹۸۷ء) ص: ۱۱۵۔
[2] امام احمد بن حنبل، المسند (بیروت، مکتبہ افکار الدولیہ) ص: ۱۷۳۰، رقم الحدیث: ۲۳۸۸۵۔

باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس اجتماعیت کی نشو و نما میں معاونت کرتا ہے اور اسے ایسے فطری اصول دیتا ہے جن سے اجتماعیت کو تقویت ملے۔ اسلام فرد کی انفرادیت کو بنیاد قرار دیتا ہے۔ فرد اجتماعی زندگی کے لیے جو جمعیتیں بناتا ہے اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا اور ان کے لیے اصول و قوانین فراہم کرتا ہے۔ اسلام وحدتِ انسانی کا داعی ہے۔ وہ کسی ایسی جمعیت کو مستقل قرار نہیں دیتا جو انسانوں میں باہمی تفریق پر منتج ہو۔ جیسے رنگ و نسل، زبان و وطن۔ اسلام اختلاف کی ان بنیادوں کو غیر فطری قرار دیتا ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام کے کچھ بنیادی اصول اور خصوصیات ہیں جن پر سارا معاشرتی ڈھانچہ استوار ہے۔ ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ احساسِ ذمہ داری	۲۔ اوامر و نواہی کا اہتمام	۳۔ قیامِ خیر و رفعِ شر
۴۔ مساواتِ انسانی	۵۔ وحدتِ فکرِ انسانی	۶۔ وحدتِ نسلِ انسانی
۷۔ ہمدردی و ایثار		

ان کی تفصیل مختصراً یہ ہے:

احساسِ ذمہ داری:

کوئی معاشرہ محض اسی صورت ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے جب اس کے افراد احساسِ ذمہ داری کے جذبہ سے سرشار ہوں گے۔ تمام افراد معاشرے کی ترقی کے لیے اپنا اپنا کردار ادا کرنے کے پابند ہیں، چنانچہ ضروری ہے کہ انہیں اپنے فرائض کا ادراک ہو اور اپنی ذمہ داری کا احساس ہو۔

اجتماعی شعور پیدا کرنے، اسے بیدار رکھنے اور مؤثر بنانے کے لیے اسلام نے جو اقدامات کیے ہیں ان میں سے بہت اہم فرد کا اپنا احساس ہے۔ فرد کو اس امر کا احساس دلایا گیا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا تنہا ذمہ دار ہے۔ جو سزا اسے ملتی ہے اسے کوئی اور نہیں اٹھائے گا۔

معاشرتی جرائم کی ایک سزا تو اجتماعی ہے جسے معاشرہ ہی نافذ کرتا ہے لیکن اس کا انفرادی معاملہ اس کے رب کے ساتھ ہے جسے اس کو ہی نبٹانا ہے۔ کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا۔ اس لیے اسے اپنا دامن گناہوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ اس کا معاشرتی فائدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنا احتساب کرتا ہے اپنی اصلاح کرتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَاۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰىۚ۔[1]

اور جو کوئی (برا) فعل کرتا ہے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

مزید ارشاد فرمایا:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْقف وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَاؕ [2]

اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لیے اچھے کام کرو گے۔ اور اگر برے کام کرو گے تو وبال بھی تمہاری جانوں پر ہو گا۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اصلاح کی اجتماعی ذمہ داری سے بری ہو گیا۔ وہ ذمہ داری اس کے سر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته۔ [3]

تم سب نگران ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہو۔

اسلام کا معاشرتی نظام ان اصولوں پر قائم ہے اور اپنی خصوصیات کی بدولت دنیا کے تمام معاشرتی نظاموں سے مختلف اور منفرد ہے۔ اسی لیے تو اسے مثالی معاشرہ کہا جاتا ہے۔ اسلام کا معاشرتی نظام خیر و صلاح، طہارت و تقدس، ہمدردی و خیر خواہی اور اعتدال و توازن پر قائم ہے۔ اس نظام میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی بہبود کا پورا انتظام موجود ہے۔

اوامر و نواہی کا اہتمام:

ایک معاشرتی نظم کا تقاضا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لازمی طور پر اہتمام ہوتا رہے۔ قرآن و سنت میں اس کے متعلق تفصیلی ہدایات ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں میں ایک ایسے گروہ کا ہونا اشد ضروری ہے کہ جو امر بالمعروف اور

---

[1] الانعام (٦) ١٦٤۔

[2] الاسراء (١٧) ٧۔

[3] بخاری، الجامع الصحیح (الریاض، دارالسلام، ١٩٩٩ء) ص: ١٢٢٩، رقم الحدیث: ١٣٨٧۔

نہی عن المنکر کا عظیم کام انجام دے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ[1]

اور تم میں ایسا گروہ ہونا چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

آگے چل کے اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس امر کی مزید تاکید فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[2]

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ بھلے کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کرنے والوں کو بھی یہ خوشخبری دی ہے کہ اس کے بدلے میں بھی ان کا حق نہیں مارا جائے گا۔ارشاد ہوتا ہے:

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ○ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ○ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ[3]

سب ایک جیسے نہیں ہیں، اہلِ کتاب میں کچھ ایسے ہیں جو حق پر قائم ہیں، وہ رات کی گھڑیوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرنے والے ہیں۔ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور اور نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی لوگ نیک اور صالح ہیں۔ اور وہ جو بھلائی کریں گے۔ان کا حق نہیں مارا جائے گا، اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو خوب جاننے والا ہے۔

---

[1] آل عمران (۳) ۱۰۴۔

[2] ایضاً، ۱۱۰۔

[3] ایضاً، ۱۱۳۔۱۱۵۔

دینِ اسلام نے مومن مردوں اور عورتوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور نیکی کے دیگر امور میں ایک دوسرے کے مدد و معاون قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ [1]

اور مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، وہ نماز قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ کی رحمت ہو گی، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس قدر عظیم کام ہے کہ رسول اللہؐ نے اس کے نہ کرنے والے کے لیے اللہ کے عذاب کی خبر دی ہے۔ حذیفہ بن الیمانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

والّذی نفسی بیدہ لتأمرنّ بالمعروف ولتنھون عن المنکر او لیو شکن اللّٰہ ان یبعث علیکم عقاباً منه ثم تدعونه فلا یستجیب لکم [2]

قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمھیں نیکی کی ضرور ہدایت کرنا ہو گی اور برائی سے ضرور روکنا ہو گا ورنہ عین ممکن ہے اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے۔ پھر تم اسے پکارو گے اور تمھیں جواب نہ آئے گا۔

اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی استطاعت کے مطابق برائی کو روکنے کا حکم صادر فرمایا تاکہ ایک صالح معاشرے کی تشکیل ممکن بنائی جا سکے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فإن لم یستطع فبلسانه فإن لم یستطع فبقلبه وذالك أضعف الإیمان۔ [3]

آپ میں سے جو کوئی برائی ہوتے ہوئے دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے

---

[1] التوبہ (۹) ۷۱۔

[2] ترمذی، جامع الترمذی (الریاض، دار السلام، ۱۹۹۹ء) ص: ۴۹۸، رقم الحدیث: ۲۱۶۹۔

[3] مسلم، الجامع الصحیح (الریاض، دار السلام، ۱۹۹۹ء) ص: ۴۲، رقم الحدیث: ۱۷۷۔

روکے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان سے روکے۔ اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اسے اپنی دل سے ہی برا جانے اور یہ ایمان کی کمزور ترین حالت ہے۔

ایسے ہی مضمون پر مشتمل ایک اور فرمانِ نبوی ﷺ امام مسلمؒ اپنی صحیح میں لے کے آئے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره. ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل[1]

مجھ سے قبل اللہ نے جو بھی نبی مبعوث کیا ہے اس کی امت میں سے اس کے کچھ حواری یا ساتھی ہوتے ہیں جو اس کی سنت کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے حکم کی پیروی کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ان کے نالائق جاں نشین آجاتے ہیں وہ ایسی بات کرتے ہیں جس پر وہ خود عمل نہیں کرتے اور اور ایسے کام کرتے ہیں جن کا ان کو حکم نہیں دیا جاتا۔ جو ان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور اپنی زبان کے ساتھ ان سے جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے۔ اور جو ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔

ان آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ معاشرتی نظم کو ہر قیمت پر برائیوں سے پاک رکھنا چاہیے۔ انفرادی برائیاں بڑھ کر اجتماعی شر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس لیے اسلامی معاشرہ آغاز ہی میں انہیں ختم کرنے کا انتظام کرتا ہے۔ چونکہ اسلامی معاشرہ باہمی خیر و فلاح کے اصول پر قائم ہے لہٰذا ہر وہ عمل جو اسے نقصان پہنچائے مٹ جانا چاہیے۔ ان کے علاوہ اسلامی معاشرے میں پاکیزگی، ضبطِ نفس، لہو و لعب سے اجتناب، رواداری، فاسد رسوم سے کنارہ کشی اور معاشی عدم توازن سے بچاؤ کے اصول بھی نافذ رہیں گے۔

[1] ایضاً، ص: ۴۲، رقم الحدیث: ۱۷۹۔

قیامِ خیر ورفعِ شر:

اسلام ایک ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس میں خیر وشر کے پیمانے متعین ہوں اور افرادِ معاشرہ ان سے سر متجاوز نہ کریں۔ اگر تجاوز ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول اپنایا جائے۔ ہر فرد اس پر عمل کرے۔ بدی سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بچانے کے لیے بھی کوشش کرے۔ یہ کوشش انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ حضورِ اکرمؐ فرماتے ہیں کہ جس معاشرے میں باہمی خیر کے قیام اور شر کے مٹانے کی سعی نہیں ہوتی وہ بالآخر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسلام نے سب سے پہلے ان امور کی نشان دہی کی جو معاشرے کے لیے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ وہ گناہ بھی بتائے جو فرد اور جماعت کے ایمان کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بیان کیا۔ اس میں بھی باہمی حسنِ ظن کو اصلِ اول قرار دیا۔ وہ امور جن سے افرادِ معاشرہ کو مجتنب رہنا چاہیے وہ یہ ہیں:

کبائر، بد گمانی، تجسس، حسد و بغض، ناجائز حمایت، غیبت اور جھوٹی گواہی وغیرہ۔ قرآن و سنت میں ہر ایک کے متعلق بہت تفصیلی احکام بیان ہوئے ہیں لیکن ہم اختصار سے صرف چند اشارات نقل کئے دیتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> اجتنبوا السّبع الموبقات۔ قیل: یارسول اللّٰہ! وما ھنّ؟ قال: الشّرک باللّٰہ والسّحر وقتل النّفس الّتی حرّم اللّٰہ الّا بالحق و أکل مال الیتیم وأکل الرّبا والتولی یوم الزّحف وقذف المحصنٰت الغافلات المؤمنات۔[1]
>
> سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا: کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، اس جان کو مار ڈالنا جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق شرعی کے طور پر مار ڈالنا جائز ہے سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے روز پشت دکھانا یعنی میدانِ جنگ یا جہاد سے بھاگ جانا، پاک دامن مؤمن اور بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

---

[1] ایضاً، ص: ۶۳، رقم الحدیث: ۲۶۲۔

معاشرتی استحکام کے لیے اسلام نے حسنِ ظن کو بنیادی حکمتِ عملی قرار دیا۔ واقعہ افک کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا۔ [1]

جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کا اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا۔

جھوٹی خبریں نشر کرنے سے منع فرمایا:

لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ [2]

یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے وہ لوگ جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے۔

مساواتِ انسانی:

دینِ اسلام تمام انسانوں کی برابری کا دعویدار ہے اور فضیلت کی بنیاد تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ [3]

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری برادریاں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ افضل وہ ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبردار ہے۔

---

[1] النور (۲۴) ۱۲۳۔

[2] الاحزاب (۳۳) ۶۰۔

[3] الحجرات (۴۹) ۱۳۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی بات کا اعادہ فرمایا کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لا فَضل لِعربیٍّ علیٰ اَعْجِمِیٍّ ولا اَعجِمِیٍّ علی عربیٍّ ولا لْاَحْمر علی اسود ولا لْاَسود علی الاحمر الّا بالتقویٰ۔[1]

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

اسلام تعصب پھیلانے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا کرنے والے کو خارج از اسلام قرار دیا۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لیس مِنَّا من دعا اِلی عصبیة۔[2]

جس نے تعصب کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں۔

وحدتِ فکرِ انسانی:

اسلام کا دعویٰ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے جن اصولوں کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمجھائے اسے جس بنیادی فکر کی ضرورت اور جس رہنمائی کی احتیاج تھی وہ رب العالمین نے مہیا کر دی۔انسان نے اسے ضائع کر کے مصنوعی فکری خاکے مرتب کرنا شروع کئے۔انسانوں کا باہمی فکری اختلاف ان کا اپنا پیدا کردہ ہے۔قرآن نے بڑے جامع الفاظ میں اسے بیان کیا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ۔[3]

سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالےٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے۔

وحدتِ نسلِ انسانی:

اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے وہ انسانوں کی محدود تفریق کا قائل نہیں۔ان کے

---

[1] احمد بن حنبل، المسند، ۳۸/۴۷۴، رقم الحدیث: ۲۳۴۸۹

[2] ابوداؤد، السنن، ص: ۱۰۱۰، رقم الحدیث: ۵۱۲۱

[3] البقرة (۲) ۲۱۳

درمیان مخصوص وجود (رنگ، نسل، وطن اور زبان) کی بناپر فضیلت و ذلت کو نہیں مانتا۔ قرآن پاک نے اس اصول کو یوں بیان کیا ہے:

يٰٓاَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ [1]

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔

ہمدردی اور ایثار:

ہمدردی و خیر خواہی اور ایثار و قربانی کا جذبہ دراصل انسان کی بے غرضی اور خلوص کی دلیل ہے، کتبِ حدیث میں ''الحب فی اللہ'' کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے۔ جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ احادیث میں مختلف پیراؤں میں اسے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من احبّ لِلّٰہ وابغض لِلّٰہ واعطیٰ لِلّٰہ ومنع لِلّٰہ فقد استکمل الایمان۔ [2]

جس شخص نے محبت کی خدا کے واسطے اور بغض رکھا خدا کے واسطے اور دیا خدا کے واسطے اور منع کیا خدا کے واسطے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔

نیز سیدنا ابو ذرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

افضل الأعمال الحبّ فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ۔ [3]

اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کی راہ میں بغض رکھنا بہترین اعمال میں سے ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المسلم اخوالمسلم، لایظلمه ولایسلمه، ومن كان فی حاجةاخیه كان اللّٰه فی حاجته، ومن فرج عن مسلم كربةفرج اللّٰه عنه كربةمن كربات یوم

[1] النساء (۴)۱

[2] ابو داؤد، السنن، ص: ۹۲۶، رقم الحدیث: ۴۶۸۱

[3] ایضاً، ص: ۹۱۱، رقم الحدیث: ۴۵۹۹

القيامة، ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة۔[1]
مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس سے کنارہ کرتا ہے اور جو آدمی اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہے اللہ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے اور جس نے کسی مسلمان سے ایک دکھ ہٹایا اللہ نے اس سے روزِ قیامت کے دکھوں سے ایک دکھ دور کر دیا اور جس نے کسی مسلمان پر پردہ ڈالا اللہ نے اس پر قیامت کے روز پردہ ڈالا۔

ان احادیث سے وہ معاشرتی ہمدردی بخوبی واضح ہو جاتی ہے جو ایک اچھے معاشرے کے لیے ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے معاشرتی ہمدردی اور خیر خواہی کے تمام امکانی پہلو واضح فرمائے ہیں جن سے ایک اچھی معاشرت قائم ہو سکتی ہے۔

معاشرتی خرابیاں:

یہاں پر ضروری ہے کہ معاشرتی خرابی کا مفہوم واضح کیا جائے۔

خربُ کا معنی ''ویران کرنا'' ہے۔[2]

لفظ خراب کا معنی ویران، اجاڑ ہے۔[3]

قرآن کریم میں دو مقامات پر خرابی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

يَخۡرِبُوۡنَ بُيُوۡتَهُمۡ بِاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَيۡدِى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فَاعۡتَبِرُوۡا يٰۤاُولِى الۡاَبۡصَارِ ۝[4]

وہ اپنے گھروں کو اپنے اور اپنے مومنین کے ہاتھوں سے خراب کرتے ہیں۔
اے آنکھ والو! عبرت حاصل کرو۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا ط[5]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، ص: ۳۹۴، رقم الحدیث: ۲۴۴۲۔
[2] وحید الزماں، لغات حدیث (لاہور، نعمانی کتب خانہ) ا/۵۶۹۔
[3] زمخشری، ابی القاسم محمود بن عمر، اساس البلاغہ (تحقیق: عبد الرحیم محمود، مکتبہ نامعلوم) ص: ۱۰۶۔
[4] الحشر (۵۹) ۲۔
[5] البقرۃ (۲) ۱۱۴۔

اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مساجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے منع کرتا ہے اور اس میں خرابی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

احادیث میں بھی لفظ خرب کئی جگہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ :

وما رأینا من فلان خربة فی دینه۔ [1]

ہم نے فلاں کے دین میں کوئی خرابی نہیں دیکھی۔

چنانچہ معاشرتی طرز حیات میں ایسی تبدیلی کہ جس میں سابقہ مسلّمہ اصولوں سے انحراف کیا گیا ہو، معاشرتی خرابی ہوتی ہے۔ انسانی معاشرے کے ساتھ ساتھ باہمی اختلاف اور طبقاتی فرق کسی بھی معاشرے میں خرابی کا سبب بنتا ہے۔ دین کے اصول تو ایک ہی ہیں لیکن لوگوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے ان میں تبدیلی آجاتی ہے جو خرابی کا باعث بنتی ہے۔

مختلف معاشروں میں خرابی کا معیار:

ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد اسلامی قوانین پر قائم ہوتی ہے اور اسلام ہی اسلامی معاشرے کے افراد کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے۔ ایک غیر اسلامی معاشرے کی بنیاد انسانی عقل و فکر اور نظریات پر قائم ہوتی ہے۔ انسانی نظریات یکساں نہیں رہتے بلکہ ان میں تغیر و تبدل واقع ہوتا رہتا ہے اور انفرادی اختلافات کی وجہ سے لوگ کبھی بھی ایک نظریہ پر قائم نہیں رہتے جس کی وجہ سے معاشرتی اقدار یکساں نہیں رہتیں۔ مختلف معاشروں کے ہاں معاشرتی اقدار کا معیار مختلف ہو جاتا ہے۔ ایک معاشرے کے ہاں ایک قدر قابل احترام اور قابل عمل ہوتی ہے جبکہ اسی وقت میں دوسرے معاشرے کے ہاں وہی قدر قابل نفرت سمجھی جاتی ہے۔ مختلف معاشروں میں خرابیوں کے معیارات کے مختلف ہونے کی درج ذیل مثالوں سے وضاحت کی جاتی ہے۔

اس قسم کی دیگر بے شمار مثالیں ہیں جن میں ایک معاشرہ دوسرے معاشرے سے اختلاف کرتا ہے اور معاشرتی خرابیوں کا معیار ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ معاشرتی خرابیوں کو ہم تین درجات میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ عملی خرابیاں ۲۔ اخلاقی خرابیاں ۳۔ فکری خرابیاں

[1] لوئیس معلوف، المنجد (لاہور، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۰ء) ص: ۱۹۸۔

۱۔ عملی خرابیاں :

عملی خرابیوں کے ذیل میں ہم درج ذیل خرابیوں پر بحث کرتے ہیں۔

ا۔ ناپ تول میں کمی   ب۔ چوری

ج۔ زکوٰۃ نہ دینا   د۔ شراب نوشی

ر۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرنا

س۔ سود

۲۔ اخلاقی خرابیاں :

اخلاقی خرابیوں کے ذیل میں ہم درج ذیل خرابیوں پر بحث کرتے ہیں۔

ا۔ جھوٹ   ب۔ غیبت

ج۔ جھوٹی قسم   د۔ قول و فعل کا تضاد

۳۔ فکری خرابیاں :

فکری خرابیوں کے ذیل میں ہم درج ذیل خرابیوں پر بحث کرتے ہیں۔

ا۔ شرک

ب۔ غیر اللہ کی قسم

ج۔ بدفالی، بدشگونی

سابقہ معاشروں کی تباہی کے اسباب، قرآن کی روشنی میں:

تاریخ انسانی میں مختلف معاشرے تشکیل پائے اور پیوند خاک ہوئے۔قرآن کریم نے مختلف معاشروں کی تباہی کا ذِکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح، قومِ عاد اور قومِ ثمود کو ان کی سرکشی کے سبب اپنے انجام کو پہنچایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ۔[1]

[1] ابراہیم (۱۴)۹۔

کیا تمہیں ان کی خبر پہنچی جو تم سے پہلے تھے؟ قومِ نوح، عاد اور ثمود کی اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے۔

قومِ نوح کا ذکر کرتے ہوئے مزید فرمایا:

وَأَغرَقنَا الَّذينَ كَذَّبوا بِـَٔايٰتِنا۔[1]

ہم نے اپنی آیتیں جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا۔

ہدایت کو بھلا کر متکبرانہ رویہ اختیار کرنے والے معاشروں کو ذلت آمیز تباہی سے دوچار کیا گیا۔ چنانچہ قارون اور فرعون کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے یوں وضاحت کی گئی ہے:

وَقارونَ وَفِرعَونَ وَهٰمٰنَ ۖ وَلَقَد جاءَهُم موسىٰ بِالبَيِّنٰتِ فَاستَكبَروا فِى الأَرضِ وَما كانوا سٰبِقينَ○ فَكُلًّا أَخَذنا بِذَنبِهِ فَمِنهُم مَن أَرسَلنا عَلَيهِ حاصِبًا وَمِنهُم مَن أَخَذَتهُ الصَّيحَةُ وَمِنهُم مَن خَسَفنا بِهِ الأَرضَ وَمِنهُم مَن أَغرَقنا وَما كانَ اللَّهُ لِيَظلِمَهُم وَلٰكِن كانوا أَنفُسَهُم يَظلِمونَ[2]

اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کیا اور ان کے پاس موسیٰؑ کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو ان میں سے بعضوں پر ہم نے تند ہوا بھیجی اور ان میں سے بعض کو ہولناک آواز نے آدبایا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں بعض کو ڈبو دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

پچھلے معاشروں کی تباہی پر غور کرنے کے ضمن میں ارشاد فرمایا:

أَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ كَانُوۡا هُمۡ أَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَآثَارًا فِى الۡأَرۡضِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَاقٍ○[3]

---

[1] الاعراف (۷) ۶۴۔

[2] العنکبوت (۲۹) ۳۹-۴۰۔

[3] المؤمن (۴۰) ۲۱۔

کیا وہ زمین میں چلتے پھرتے نہیں، پس دیکھ لیجئے ان کا انجام کیا ہوا۔ جو اُن سے پہلے تھے وہ قوت میں اور زمین میں نشانیاں چھوڑنے میں ان سے بڑھ کر تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں کی وجہ سے پکڑا اور کوئی انہیں اللہ تعالیٰ (کی سزا) سے بچانے والا نہ تھا۔

غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم میں سابقہ معاشروں کی تباہی اور ان کے عذاب اور ان کے اسباب کے تذکرے اسی لیے کیے گیے ہیں تاکہ امت مسلمہ کو بتایا جا سکے کہ اگر یہ امت بھی ان اسباب کو دہرائے گی اور ویسی ہی غلطیوں کا ارتکاب کرے گی تو پھر وہ یاد رکھے کہ ان کا حشر بھی انہی جیسا ہو گا۔

جدید معاشرہ کے اصلاح طلب پہلو اور قرآن سے راہنمائی:

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسانی اصلاح کے تھوڑے بہت نتائج بھی برآمد ہوئے لیکن بحثیت مجموعی انسان کی معاشرتی زندگی میں بگاڑ اور خرابیاں ہر دور میں غالب رہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ط وَقَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ ○ [1]

اے آلِ داؤد شکر کرتے ہوئے عمل کرو اور میرے بندوں میں سے تھوڑے شکر گزار ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک نے مختلف اقوام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ○ الَّذِیۡنَ طَغَوۡا فِی الۡبِلَادِ ○ فَاَکۡثَرُوۡا فِیۡہَا الۡفَسَادَ ○ [2]

اور میخوں والے فرعون کے ساتھ جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی سو ان میں بہت فساد کیا۔

چنانچہ اسی فساد کو مٹانے کے لئے اور معاشرے کے دیگر اصلاح طلب پہلوؤں پر راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید میں راہنما اصول بیان فرمائے ہیں۔ اس مضمون میں ہمارے پیش نظر یہی اصول

[1] السباء (۳۴) ۱۳۔
[2] الفجر (۸۹) ۱۰-۱۲۔

ہیں ہے کہ جن کی روشنی میں ہم اصلاح معاشرہ کا تصور پیش کریں۔ دورِ حاضر میں عام طور پر معاشرے کے درج ذیل پہلوؤں میں اصلاح کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے:

۱۔ اخلاقی پہلو	۲۔ اقتصادی پہلو
۳۔ عملی پہلو	۴۔ فکری پہلو

۱۔ اخلاقی پہلو:

دورِ حاضر میں عام طور پر ہمارے معاشرے کا اخلاقی پہلو انتہائی سنجیدگی سے اصلاح کے لیے توجہ کا پہلے سے کہیں زیادہ طالب ہے۔ عموماً درج ذیل اخلاقی خرابیوں نے معاشرے کے چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے:

ا۔ جھوٹ اور جھوٹی قسم	ب۔ زناکاری
ج۔ غیبت	د۔ قول و فعل کا تضاد

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان جملہ خرابیوں کے ضمن میں کیا احکامات صادر فرمائے ہیں۔

ا۔ جھوٹ اور جھوٹی قسم:

معاشرتی خرابیوں میں سے ایک بدترین خرابی جھوٹ ہے اور معاشرے میں فتنہ و فساد کا باعث ہے۔ کسی چیز کو عمداً یا بھول کر خلافِ واقعہ قرار دینا جھوٹ ہے۔ نادانی میں بولے گئے جھوٹ کا گناہ نہیں ہوتا۔ دنیا میں کچھ ایسے بدبخت بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا لِیُضِلَّ النَّاس بِغَیْرِ عِلْمٍؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝[1]
>
> تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھ کر لوگوں کو اپنی جہالت سے گمراہ کرے۔ بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

[1] الانعام (۶) ۱۴۴۔

إِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝[1]

جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں۔

جھوٹ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے بڑے واضح احکام ہیں۔ جھوٹ تمام گناہوں اور بے حیائی کے عیوب میں بدترین ہے اور تمام واضح نصوص کی روشنی میں جھوٹ کے حرام ہونے پر امت کا اتفاق ہے۔ جھوٹ بولنا مسلمان کے اخلاق کے منافی ہے۔ جھوٹ بولنا کسی مذہب، معاشرے میں پسند نہیں کیا جاتا بلکہ ہر دور اور خطے کے لوگ جھوٹ کو ناپسند کرتے ہیں۔ جھوٹا آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا مستحق ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝ [2]

جھوٹوں پر اللہ کی لعنت۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور اسے ہر معاشرے میں برا تصور کیا جاتا ہے۔ لوگوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں جھوٹی قسم کھانے والے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعید فرمائی ہے۔

قسم کی تین قسمیں ہیں:

یمین لغو، یمین معلقہ، یمین غموس۔

یمین لغو:

گفتگو کے دوران کسی قصد یا ارادے کے بغیر بے ساختہ قسم کھانا 'یمین لغو' کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر خدا کی قسم میں نے ایسا کہا، اللہ کی قسم تم اسے پی لو، بخدا ایسا نہیں ہوا وغیرہ۔ [3]

---

[1] النحل (۱۶) ۱۰۵۔

[2] آل عمران (۳) ۶۱۔

[3] ابن حجر، معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج، مترجم: مولانا نصیر احمد (لاہور، مکتبہ قدوسیہ، ۱۹۹۲ء) ص: ۳۸۵۔

یہ قسم غیر اختیاری ہوتی ہے اور اس پر کوئی گرفت یا کفارہ نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ○[1]

بلا مقصد قسمیں کھانے پر خدا تم کو نہیں پکڑے گا۔ ہاں دل سے جو قسمیں تم نے کھائیں، ان پر مواخذہ کرے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا، حلم والا ہے۔

یمین معلقہ: یہ وہ قسم ہے جس کا تعلق مستقبل میں کسی کام سے ہو۔ جیسے اللہ کی قسم میں زید سے بات چیت نہیں کروں گا۔ اللہ کی قسم میں فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا وغیرہ۔ ایسی قسم کھانے والے کو چاہیے کہ وہ غور کرے، قسم توڑنا بہتر محسوس کرے تو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔[2]

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

فَکَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ط ذٰلِکَ کَفَّارَةُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ[3]

تو اس کے کفارے میں دس مسکینوں کو متوسط درجے کا کھانا، جو عموماً تم اپنے عیال کو کھلاتے ہو، کھلا دو۔ یا ان کو لباس پہناؤ یا غلام آزاد کرو اور جس کو یہ کچھ میسر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر خلاف کرو اور اپنی قسموں کی خوب حفاظت کرو۔

یمین غموس:

جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا مہلک ترین معاشرتی خرابی ہے۔ اس کو 'یمین غموس' کہتے ہیں۔ غَمُوس کے معنی ہیں 'غوطہ دینے والی'۔ اس کو غموس اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایسی قسم کھانے والا دنیا میں گناہوں میں اور آخرت میں جہنم کے عذاب میں غوطہ کھائے گا۔ جھوٹی قسم کھانے والا اس خدائے بزرگ و برتر کے سامنے مجرمانہ جسارت کرتا ہے جس کے حضور میں اکڑی ہوئی گردنیں خم ہو جاتی

---

[1] البقرۃ (۲) ۲۲۵۔

[2] ابن حجر، معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج، ص: ۳۸۵۔

[3] المائدہ (۵) ۸۹۔

ہیں۔ پوری کائنات جس کے در پر سجدہ ریز ہوتی ہے۔ لیکن اس جھوٹے کا برا ہو جو جھوٹی قسم کھا کر نوعِ انسانی کے ایک فرد یا اپنے اسلامی بھائی کی رقم اینٹھ لیتا ہے۔ اس کا یہی مقصود کیا کم ہے:

۱۔ اس نے اللہ رب العزت کی عظمت اور کبریائی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

۲۔ دوسرے کا مال ناحق چھین کر خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

۳۔ جس کا مال چھینا اس پر بھی ظلم کیا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِاللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَناً قَلِیْلاً اُوْلٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَ لَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ[1]

جو لوگ اللہ کے قول و قرار اور قسمیں بیچ کر حقیر سی قیمت خریدتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات کرے گا، نہ قیامت کے دن ان کی طرف دیکھے گا، نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔

چنانچہ جو لوگ دنیا کی حقیر سی رقم اور معمولی قیمت پر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، اور اللہ کے قول و قرار اور قسموں کو بیچ کر حقیر سی قیمت وصول کرتے ہیں، آخرت کی نعمتوں اور وہاں کے اجر میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو گا، نہ اللہ تعالیٰ ان سے خوشنودی کے ساتھ ہم کلام ہو گا، نہ قیامت کے دن ان پر شفقت کی نظر ڈالے گا، نہ ان کے دلوں کو پاک صاف رکھے گا، نہ ان کے اوپر خیر و برکت نازل فرمائے گا اور نہ ہی ان کی تعریف اور ستائش کرے گا بلکہ انہیں سخت ترین عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

ب۔ زناکاری:

یہ ایک ایسی اخلاقی برائی ہے جو کہ معاشرے میں فساد اور اس کے بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ اس کے جملہ اثرات سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کی خصوصی تاکید فرمائی ہے اور اسے بے حیائی قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

[1] آل عمران (۳) ۷۷۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ [1]

اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔

یہی نہیں بلکہ مزید فرمایا کہ اگر باز نہیں آؤ گے اور اس کا ارتکاب کرو گے تو اس کو سزا بھگتنا پڑے گی۔ ارشادِ ربانی ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ [2]

بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد، جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اللہ کے قانون کو نافذ کرنے میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے۔ اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نہایت سنجیدہ معاملہ ہے اور اس کی سزا کے نفاذ میں ذمہ داری کا مظاہرہ کیا جائے گا تو معاشرے میں کسی دوسرے کو اس کی جرأت نہ ہو گی اور نتیجتاً معاشرہ اس کے اثراتِ بد سے بچا رہے گا۔

ج۔ غیبت:

معاشرتی خرابیوں میں ایک مہلک خرابی غیبت ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان کینہ، بغض، نفرت اور فساد پیدا ہوتا ہے اور محبت اور بھائی چارہ، اتفاق اور خیر خواہی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔

غیبت، چغل خوری اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے وعیدوں کا اعلان فرمایا ہے اور ان کاموں سے بچنے کی پرزور تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ [1]

---

[1] الاسراء (۱۷) ۳۲۔

[2] النور (۲۴) ۲۔

ہلاکت ہے اس آدمی کے لیے جو لوگوں پر طنز اور برائیاں کرنے کا عادی ہے۔[1]

د۔ قول و فعل کا تضاد:

عصرِ حاضر میں قول و فعل کا تضاد اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اسے کوئی گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ جبکہ اس کے اثرات میں سے سب سے برا اثر یہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کی شخصیت مسخ ہو کے رہ جاتی ہے اور اس کا اعتبار جاتا رہتا ہے۔ اگر معاشرے کے زیادہ تر افراد ایسا کرنے لگ جائیں تو اس کے اخلاق کا دیوالیہ نکل جانا سمجھ میں آتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کو سخت ناپسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کا قول اور فعل ایک جیسا ہونا چاہیے۔ قرانِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ○ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ○ [2]

مومنو! تم ایسی بات کیوں کہا کرتے ہو جو تم کیا نہیں کرتے۔ اللہ ایسی بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

چنانچہ ہمیں ایسی بات سے بچنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ بیزار ہے۔ بد عہدی بھی اسی زمرے میں آتی ہے جس کے مرتکب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کا دین سے تعلق نہیں۔

۲۔ اقتصادی پہلو:

دورِ حاضر میں ہمارے معاشرے کے شعبہ اقتصادیات میں جو غیر اسلامی روایات جڑ پکڑ چکی ہیں ان میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

الف۔ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی

ب۔ سود

الف۔ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی:

زکوٰۃ ادا نہ کرنا دورِ حاضر میں عام معاشرتی خرابیوں میں سے ایک ہے۔ زکوٰۃ مالداروں کے ذمہ غریبوں کا حق ہے۔ مالداروں کو چاہیے کہ اللہ نے جو دولت انہیں عطا فرمائی ہے اس میں سے اس حق

[1] الھمزۃ (۱۰۴) ۱۔

[2] الصّف (۶۱) ۲-۳۔

کو ادا کریں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی اور اس کی ترغیب دینے کے لیے کثیر آیات وارد ہیں جو لوگ زکوٰۃ کے نام سے بھاگتے ہیں ان آیتوں میں ان کے لیے سخت وعید، آخرت میں دردناک عذاب اور دنیا میں ان کے اوپر حادثات کے نزول اور بے برکتی نمودار ہونے کی بشارتیں موجود ہیں۔ اس ضمن میں چند آیات درج ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ [1]

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے، اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی، تو ان کو ان کے پروردگار کے پاس اجر ملے گا اور (قیامت کے دن) انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت سے ان ایمان والوں کے بدلہ کا اندازہ ہوتا ہے جو نیک کام کرتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ بدلہ وہ اجر و ثواب ہوگا جو اللہ کی طرف سے انہیں عطا ہوگا، انہیں آخرت کے عذاب کا خوف نہیں ہوگا، نہ ہی دنیا میں انہیں کوئی رنج ہوگا۔

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ○ [2]

اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے (کچھ) مال عنایت فرمایا ہے اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں تو وہ اس بخل کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے حق میں برا ہے۔ وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈال دیا جائے گا اور (یاد رکھو) آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ ہی ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو شرارت سے زکوٰۃ دینے میں بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن ایسے تمام لوگوں سے انتقام لیا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] البقرۃ (۲) ۲۷۷۔

[2] آل عمران (۳) ۱۸۰۔

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ○ [1]

یہ وہی ہے جس کو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، تو تم جو جمع کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

یہاں ان لوگوں کے بارے میں وعید سنائی گئی ہے جو مال کو دونوں ہاتھوں سے اکٹھا کرتے ہیں، آخرت میں انہیں یہ بدلہ دیا جائے گا کہ جس قدر دولت انہوں نے جوڑ جوڑ کر رکھی ہو گی اسے آگ میں تپایا جائے گا۔ جب یہ دولت تپ کر خوب روشن ہو جائے گی تو اس سے ان جوڑ جوڑ کر رکھنے والوں کی پیشانی، ان کے پہلو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جمع کرنے کا مزہ چکھو۔ [2]

ب۔ سود:

معاشرتی خرابیوں میں سے سود ایک ایسی خرابی ہے جس نے معاشی طور پر معاشرے پر ایسے برے اثرات مرتب کیے ہیں کہ معاشی عدم توازن کا شکار طبقہ فساد فی الارض کا باعث بن رہا ہے۔ قرآن مجید میں سود کے لیے 'ربٰوا' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مادہ 'ر ب و' ہے جس کے معنی بڑھوتری اور زیادتی کے ہیں۔ اصل رقم پر جو زیادتی بھی ہو گی وہ ربٰو کہلائے گی۔ [3]

قرآن کریم میں اتنے سخت الفاظ کسی دوسرے گناہ کے لیے استعمال نہیں ہوئے جتنے کہ سود کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ○ [4]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو

---

[1] التوبہ (۹) ۳۵۔

[2] ابن حجر، احمد بن حجر، معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج، ص: ۲۱۶۔

[3] غلام احمد حریری، پروفیسر، اسلام کا معاشی نظام (لاہور، مجید بک ڈپو) ص: ۳۴۹۔

[4] البقرۃ (۲) ۲۷۸-۲۷۹۔

جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو اپنا راس المال لے سکتے ہو۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تمہارے اوپر ظلم کیا جائے گا۔

نیز سورۂ البقرہ میں سود کو ختم کرنے کا حکم صادر ہوتا ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ○[1]

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے کافر گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں سود کا ارتکاب کرنے والے کے لیے مبالغے کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے اس برائی کی شدت کو بیان کیا گیا ہے کہ ایسے گناہ کرنے والوں کا شمار بڑے کافروں اور اللہ کے نا فرمانوں میں ہوتا ہے۔

ایک مقامِ دیگر پہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم صادر فرمایا ہے کہ وہ سود کھانا چھوڑ دیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○[2]

اے ایمان والو! سود کو بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈر جاؤ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

سود کی حرمت کے بارے میں کھلے احکامات آجانے کے بعد بھی جو لوگ احکام خداوندی سے چشم پوشی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت وعید فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○[3]

پس جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ

---

[1] ایضاً: ۲۷۶۔

[2] آل عمران (۳) ۱۳۰۔

[3] البقرۃ (۲) ۲۷۵۔

سود سے باز آجائے تو وہ جو کچھ پہلے کھاچکا سو کھاچکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔اور جو اس حکم کے بعد پھر اس حرکت کا اعادہ کرے وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

۳۔ عملی پہلو:

عصرِ حاضر میں عملی طور ہم من حیث القوم عموماً درج ذیل خرابیوں کا شکار ہیں:

الف۔امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عدم اہتمام

ج۔چوری

د۔منشیات کا استعمال

ب۔ناپ تول میں کمی

آیئے دیکھتے ہیں کہ کتاب اللہ سے ہمیں ان خرابیوں کے حوالے سے کیا راہنمائی ملتی ہے۔

الف۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عدم اہتمام:

نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے منع کرنا اس وقت سے ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کو مبعوث فرمایا ہے۔قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ[1]

بنی اسرائیل کے کفار پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی،اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔آپس میں ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کیا کرتے تھے۔

امتِ مسلمہ کی فضیلت بھی اسی بات پر ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی رہے گی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المائدہ (۵) ۷۸۔۷۹۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔[1]

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہترین امت ہونے کو درج ذیل تین باتوں سے مشروط کیا ہے:

۱۔امر بالمعروف ۲۔ نہی عن المنکر ۳۔ایمان باللہ

نیکی کی طرف دعوت اور برائی سے منع کرنے پر اللہ تعالیٰ نے کامیابی و کامرانی کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ تین مذکورہ بالا باتیں کامیابی کے لیے شرط ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْن بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْن عَنِ الْمُنْكَرِط وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO[2]

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور نیک کاموں کا حکم دیتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے۔ اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔

ب۔ چوری:

کسی چیز کو مالک کی اجازت کے بغیر چھپا کر اٹھا لینے کو چوری کہتے ہیں۔ یہ انتہائی بری اور نازیبا حرکت ہے۔ چوری کے ذریعے سے حاصل کیا ہوا مال حرام کے زمرے میں آتا ہے۔ دنیا کے تمام معاشروں میں چوری کو برا تصور کیا جاتا ہے اور کسی بھی شریعت میں اس کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔ چوری ایک نہایت قبیح جرم ہے اس لیے چوری کرنے والا کسی مجلس میں برملا نہیں بیٹھ سکتا۔ چوری کرنے والا خود ہی لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ خود چور کا نفس اس کو ملامت کرتا ہے کہ اگر میرے اس فعل کا کسی اور کو پتہ چل گیا تو ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ وہ ایسے وقت چوری کرتا ہے جب لوگ سوئے ہوئے ہوں یا اپنے گھر سے دور ہوں۔ چور امن و سکون کو خراب کرتا ہے اور فساد فی

---

[1] آل عمران (۳) ۱۱۰۔

[2] ایضاً: ۱۰۴۔

الارض کا مرتکب ہوتا ہے۔اس لیے سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چوری کی سزا کا اعلان کیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○[1]

چور مرد ہو یا عورت، ان کا ہاتھ کٹوا دو یہ سزا ہے ان کے جرم کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اگر معاشرہ میں اس جرم کے ارتکاب پر حد جاری کی جائے تو یہ جرم مکمل طور پر ختم ہو جائے۔ ایسے میں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اسلامی سزاؤں پر عمل درآمد کرائے تاکہ امن وآشتی کا دور پھر سر شروع ہو جائے۔

ج۔منشیات کا استعمال:

نشہ انسانی جسم اور عقل وشعور کے لیے انتہائی مضر ہے۔دین ہو یا دنیا، ہر جگہ اس کا نقصان مسلم ہے۔اس کے استعمال سے انسانی صحت تباہ ہو کے رہ جاتی ہے۔ تندرستی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ شراب نوشی معاشرتی زندگی پر بھی بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔اس کی وجہ سے آپس میں لڑائی جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ نشہ کرنے والے ذرا سی بات پر مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔اس سے معاشرہ میں قتل وغارت گری اور فساد پیدا ہوتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی اشیاء کے استعمال سے منع کیا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ عربوں کی شراب خوری کا تذکرہ کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

"شراب جو ہر قسم کے فسق وفجور اور مظالم و بدکاری کا سرچشمہ ہے، عربوں میں اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر ایک میکدہ بن گیا تھا۔ اس کا نہ پینا اس قدر نامانوس بات تھی کہ جن چند آدمیوں نے اسلام سے پہلے اس کے پینے سے پرہیز کیا تھا ان کے نام یاد رکھے گئے۔ دوست احباب کسی گھر میں جمع ہوتے تو شراب کا دور چلتا۔ ساتھ ہی جوا کھیلتے، اس میں اونٹوں کی ہار جیت ہوتی۔ جو

---

[1] المائدہ (۵) ۳۸۔

جیت جاتا وہ جیتے ہوئے اونٹوں کو اسی وقت ذبح کر کے کھلا دیتا۔ کبھی نشہ میں سرشار ہو کر خود صاحبِ خانہ اٹھ کھڑا ہوتا اور اپنے اونٹوں کو کاٹ کر ڈھیر کر دیتا۔ لوگ بھونتے، کباب بناتے، کھاتے، کھلاتے اور اپنی اس بے جا فیاضی پر فخر کرتے۔ سامنے فاحشہ عورتیں گاتیں بجاتیں اور وہ مخموری کے عالم میں بے شرمی کی باتیں کرتے۔"[1]

شراب نوشی کی یہ معاشرتی بیماری عرب معاشرے میں اس قدر رچ بس گئی تھی کہ اس کو یکسر ختم کر دینا حکمت کے منافی تھا۔ اس لیے اسے مرحلہ وار ختم کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ ہمیں شراب کے بارے میں صاف صاف بیان فرمادے۔ اس پر یہ آیت نازل فرمائی گئی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا[2]

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ انہیں بتادیں کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدہ بھی ہے اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد بھی لوگوں نے شراب نہیں چھوڑی بلکہ پیتے پلاتے رہے کیونکہ اس میں حرمت کا واضح حکم موجود نہیں تھا بلکہ نقصان اور فائدہ دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا تھا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔[3]

نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جو کہو اسے سمجھ بھی لو۔

اس کے بعد جب نماز کا وقت ہوتا تو یہ اعلان کیا جاتا کہ نشہ کی حالت میں کوئی نماز میں داخل نہ ہو۔ لیکن اس آیت میں بھی شراب نہ پینے کا کوئی صریح حکم نہیں تھا، اس لیے نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں لوگ پی لیتے۔ پھر آخر اس کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ (لاہور، الفیصل ناشران، ۱۹۹۱ء) ۴، ۱۴۸۔

[2] البقرۃ (۲) ۲۱۹۔

[3] النساء (۴) ۴۳۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○[1]

اے ایمان والو! بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے کے تیر شیطان کے ناپاک اعمال ہیں۔ ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اس آیت کے نزول کے بعد شراب مطلقاً حرام ہو گئی اور اس کی حلت کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

أسقِي أباعبيده وأباطلحه وابی بن کعب من فضيخ زهو و تمر، فجاءهم آت فقال ان الخمر قد حرمت۔[2]

میں ابو عبیدہ، ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو کچی اور پکی کھجور سے تیار کی ہوئی شراب پلا رہا تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ شراب حرام ہو گئی ہے۔

جونہی یہ اعلان ہوا تو کسی نے اس بات کی تحقیق کرنے کی زحمت تک نہ کی بلکہ فوراً جام توڑ ڈالے۔ مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔[3]

ان تمام آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شراب نوشی معاشرے کے لیے تباہ کن اثرات رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ عصر حاضر میں بھی یہ بیماری عام ہو چکی ہے۔ اس کے نتیجہ میں لڑائی جھگڑا، قتل و غارت اور فساد معمول ہے۔ اس فساد و خون ریزی سے بچاؤ کے لیے ہمارے لیے بھی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔

د۔ ناپ تول میں کمی:

ناپ تول میں کمی ایک ایسی معاشرتی خرابی ہے کہ اگر اس کی اصلاح نہ کی جائے تو یہ انسانی معاشرہ کی ہلاکت کا بہت بڑا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس خرابی سے دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے اور حقوق العباد

---

[1] المائدہ (۵) ۹۰۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح (الریاض، دار السلام للنشر والتوزیع، الطبعۃ الثانیہ ۱۹۹۹ء) ص: ۹۹۱، رقم الحدیث: ۵۵۸۲۔

[3] ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، فتح الباری (لاہور، دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ) ۱۰/۳۷۔

میں انقطاع واقع ہوتا ہے۔ آپس میں محبت اور ہمدردی کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ لالچ، حرص اور خود غرضی لے لیتی ہے۔

ناپ تول میں کمی اللہ کے نزدیک بہت ہی معیوب ہے اور اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ میزانِ عدل کو خراب کرنے کے مترادف ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر اس برائی کی مذمت فرمائی ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ○ وَاِذَا كَالُوْ هُمْ اَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ○ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ○ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ [1]

تباہی ہے ان ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جو دوسروں سے خریدتے وقت پورا مال لیتے ہیں مگر جب اپنا سودا بیچتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ انہیں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ اس یوم عظیم میں رب کے سامنے پیش ہو کر کیا جواب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ناپ تول درست رکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر ناپسندیدہ ہے اور یہ گناہ کتنا بدتر ہے، اس سلسلے میں قرآن حکیم سے مزید چند آیات درج ہیں:

اَوْفُوْا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ [2]

جب ناپو تو ناپ پورا کرو اور وزن سیدھے ترازو سے تول کر دیا کرو۔

اَوْفُوْا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ [3]

ماپ تول انصاف کے ساتھ برابر کر کے دیا کرو۔

وَاَقِيْمُوْا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ○ [4]

اور وزن انصاف کے ساتھ کیا کرو اور میزان کو کم نہ کیا کرو۔

---

[1] المطففین (۸۳) ۱-۶۔

[2] بنی اسرائیل (۱۷) ۳۵۔

[3] الانعام (۶) ۱۵۳۔

[4] الرحمٰن (۵۵) ۹۔

آج کے دور میں ہم معاشرے پر نظر ڈالیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ بیماری ہمارے معاشرے میں وسیع پیمانے پر موجود ہے۔ اکثر دکاندار لوگ ناپ تول میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ چیز لینے کے لیے بڑے پیمانے استعمال کرتے ہیں اور چیز دیتے ہوئے چھوٹے پیمانے۔ کاٹن فیکٹریوں میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ جب کپاس کی خریداری کی جاتی ہے تو ایک من چالیس کلو گرام کا ہوتا ہے۔ لیکن جب کپاس کی مصنوعات یعنی کھل، بنولہ وغیرہ فروخت کیا جاتا ہے تو اس وقت ایک من سینتیس ۳۷ کلو گرام کا ہوتا ہے۔ ماپ تول کا یہ دوہرا معیار معاشرے پر اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بارشیں وقت پر نہیں ہوتیں اور قحط سالی کا سماں ہر وقت طاری رہتا ہے۔ کسی کو ذہنی سکون میسر نہیں۔ کم ناپنے سے لوگوں کی حق تلفی ہوتی ہے اور امانت میں خیانت ہوتی ہے۔

۴۔ فکری پہلو:

عصرِ رواں میں ہمارے معاشرے کا فکری پہلو بھی اصلاحِ احوال کے لیے توجہ کا طالب ہے۔ اس میں عقائد کی خرابی سب سے اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس ضمن میں راہنمائی فرمائی ہے۔

عرب زمانہ جاہلیت میں بتوں اور ستاروں کی پرستش کے ساتھ ساتھ ایسے فاسد عقائد میں گرفتار تھے جن کی بنیادی وجہ توحید سے ناواقفیت اور ان حقوق سے ان کی جہالت تھی جو اللہ کے بندوں کے ذمہ واجب ہوتے ہیں۔ ان کے بعض عقائد یہ تھے:

۱۔ جاہل عرب یہ سمجھتے تھے کہ کسی کو مشیئتِ خداوندی یا تقدیرِ الٰہی کے بغیر چھوت چھات کا عارضہ لاحق ہو سکتا ہے اور بیمار آدمی کا مرض تندرست آدمی کو لگ جاتا ہے۔

۲۔ اسی طرح 'طیرۃ' پر بھی وہ عقیدہ رکھتے تھے۔ طیرۃ پرندے کے دائیں طرف اڑنے کو کہتے ہیں، اسی سے یہ لفظ ماخوذ ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ جس کسی کے دل میں کوئی ارادہ ہوتا، اور معاً کوئی پرندہ اس کے دائیں طرف پرواز کر جاتا تو یہ شخص جھٹ اس پرواز کو برکت کے حصول کا سبب سمجھتا، اسے مبارک خیال کرتا اور اس سے اچھا شگون لیتا۔ اور اگر پرندہ بائیں طرف اڑ جاتا تو یہ اس کو اپنے لیے فالِ بد سمجھتا۔ یونہی جاہل عرب الو کی آواز سے بدشگونی لیتے تھے۔

۳۔ عرب ہر کام کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرتے، جیسے بارش وغیرہ کے لیے نچھتر پر عقیدہ رکھتے تھے۔ نچھتر چاند کی برج ہے جس میں چاند رات کو ٹھہرتا ہے۔ جاہل عرب یہ سمجھتے تھے کہ چاند فلاں برج سے نکل کر فلاں برج میں پہنچا، اسی لیے بارش ہوئی۔ کبھی وہ یوں کہتے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی، کبھی ہواؤں کا چلنا اور رت کا بدلنا بھی تاروں کی دین سمجھتے۔

۴۔ عرب بھوت پریت پر بھی یقین رکھتے تھے کہ بھوت پریت جنوں اور شیطانوں کی ایک قسم ہے۔ عرب یہ سمجھتے تھے کہ بھوت طرح طرح کی شکلوں میں لوگوں کے سامنے آتے ہیں، انہیں غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں اور اللہ کی مرضی کے بغیر محض اپنے بل پر لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا عقائد چونکہ عربوں کے دلوں میں راسخ ہو چکے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو سارے عالم کے انسانوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ آپ ﷺ شرک کے اندھیروں اور شیطانی اوہام سے لوگوں کو نکال باہر کریں۔[1]

آج بھی عوام کی بھاری اکثریت ماہِ صفر کو منحوس سمجھتی ہے، شادی شدہ بیوی یا خریدے گئے جانور سے برا شگون لیا جاتا ہے۔ بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس گھر میں رہائش اختیار کرنے سے یا فلاں عورت سے جب سے نکاح کیا ہے میں نے خوشی کا منہ نہیں دیکھا، بلکہ تنگی، فقر و فاقہ اور فلاں فلاں مصیبت میں گرفتار ہوں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝[2]

اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس لئے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ وہ معاف فرما دیتا ہے۔

نیز ارشادِ ربانی ہے:

---

[1] ابن حجر، معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج، ص: ۱۶۲۔ ۱۶۳۔

[2] الشوریٰ (۴۲) ۳۰۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَج وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ[1]

اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا ٹالنے والا کوئی نہیں
اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں۔

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سب کچھ اللہ مالک الملک کی طرف سے ہوتا ہے اور سب اسی کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا فالِ بد یا شگون کے اچھے یا برے ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

ہمارے معاشرے میں ایک اور غیر محسوس قسم کا بگاڑ پایا جاتا ہے اسے 'شرک' کے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ شرک توحید کی ضد ہے اور سب سے بڑا جرم ہے۔ یہ وہ بد ترین لعنت ہے جو معاشرہ کو تمام بنیادی خوبیوں سے محروم کر دیتا ہے۔ جس معاشرہ میں شرک عام ہو جائے وہاں دولت کی ریل پیل، عیاشی، اعلیٰ معیارِ زندگی اور دنیا کی ترقی تو مل سکتی ہے لیکن اطمینانِ قلب، مساواتِ انسانی، عدل وانصاف، بنیادی حقوق اور اعلیٰ معیارِ اخلاق جیسی خوبیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ ذہنی انتشار، بے راہ روی، انسانیت کی ناقدری جیسی برائیاں جنم لے لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اسے ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○[2]

بے شک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

اس بگاڑ کا مرتکب اگر اسی حالت میں مر جائے تو اس کے لیے بخشش نہیں ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ[3]

بے شک اللہ شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔ اس کے سوا باقی گناہوں میں سے جو چاہے گا بخشے گا۔

شرک دو طرح کا ہوتا ہے: شرک جلی اور شرک خفی

---

[1] یونس (۱۰) ۱۰۷۔

[2] لقمان (۳۱) ۱۳۔

[3] النساء (۴) ۴۸۔

ا۔ شرک جلی:

یہ کھلا شرک ہے۔جب کوئی انسان اپنے خالق حقیقی کے علاوہ اس کی مخلوق کی کھلم کھلا عبادت کرے یا اللہ تعالیٰ کا سرے سے انکار کرے، مثلاً بت پرستی، آتش پرستی، شجر پرستی، قبر پرستی، نفس پرستی یا اجرامِ فلکی کی پوجا پاٹ کرنا، دو یا تین خدا کا یقین رکھنا یا اسلام کے ماننے سے انکار کرنا، ایسے شخص کو کافر یا دہریہ کہا جاتا ہے اور ایسے شرک کا ارتکاب کرنے والے کے لیے جنت حرام کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ[1]

جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا اس کے لیے اللہ نے جنت حرام کر دی ہے۔اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَن لقِيَ اللّٰهُ لایُشرِکُ بہٖ شیئًادخل الجنۃ،ومن لقِیهٗ یُشرک بہٖ شیئًادخل النّار[2]

جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے شرک نہیں کیا تو وہ جنت میں جائے گا۔اور جو شرک کی حالت میں مرا، وہ دوزخ میں جائے گا۔

شرک جلی کی مزید اقسام ہیں جو درج ذیل ہیں:

شرک فی الذات: اللہ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک فی الذات ہے یعنی ایک اللہ تعالیٰ کی بجائے دو یا دو سے زیادہ خداؤں کے ہونے کا عقیدہ رکھنا۔

شرک فی الصفات: صفاتِ الٰہیہ میں سے کسی صفت میں کسی دوسرے کو شریک ماننا شرک فی الصفات ہے۔جیسے کسی اور کو بھی خالق، رازق، رب اور عالم الغیب ماننا۔

شرک فی العبادات: ال لہ تعالیٰ کو معبود مانتے ہوئے اس کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود تسلیم کرنا شرک فی العبادات ہے۔اس میں غیر اللہ کی عبادت، اس کے نام کی قربانی، نذر، نیاز، قَسم وغیرہ شامل ہیں۔

---

[1] المائدہ (۵) ۷۲۔

[2] مسلم، الجامع الصحیح (الریاض، دار السلام للنشر والتوزیع، الطبعۃ الثانیہ ۱۹۹۹ء) ص: ۵۵، رقم الحدیث: ۲۷۰۔

شرک فی التصرف: شرک فی التصرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات میں کسی اور کو بھی دخیل اور متصرف سمجھا جائے۔ رزق، استعانت، اولاد، زندگی موت، مشکل کشائی اور حاجت روائی وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو بھی بااختیار سمجھنا کہ وہ بھی یہ کام کر سکتے ہیں اور خدائی کاموں میں ان کو بھی تصرف اور اختیار حاصل ہے۔[1]

۲۔ شرک خفی:

یہ شرک علی الاعلان تو نہیں کیا جاتا لیکن توحید کے ساتھ آمیزش کی جاتی ہے۔ ایک مسلمان بظاہر اللہ واحد پر ایمان کا دعویٰ رکھتا ہے اور توحید پرستی کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔ روزہ، نماز اور دیگر شرعی احکامات پر بھی عمل کرتا ہے لیکن ایمان ویقین کی کمزوری کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو خدائے حقیقی کی ذات، صفات اور اختیارات میں شامل کر لیتا ہے۔ ایسے شرک سے بھی بچنا نہایت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ [2]

اور ان میں اکثر وہ ہیں جو اللہ پر یقین نہیں لاتے مگر شرک کرتے ہوئے۔

عبادت کے لیے حکم ہے کہ خالص اللہ کے لیے ہو اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ [3]

انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ایک معبود کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کے ساتھ جن کو شریک ٹھہراتے ہو وہ ان سے پاک ہے۔

اس آیت کریمہ سے چند امور ظاہر ہوئے:

(الف) ایک اللہ کی عبادت کا حکم نازل ہوا ہے اور پکارنا بھی ایک عبادت ہے۔

(ب) اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں کہ جس کو پکارا جائے یا اس کی عبادت کی جائے۔

---

[1] پروفیسر مولانا محمد رفیق، اسلامی عقیدہ (لاہور، مکتبہ قرآنیات، ۲۰۰۸) ص: ۴۰۔

[2] یوسف (۱۲) ۱۰۶۔

[3] التوبہ (۹) ۳۱۔

(ج)اور یہ کام شرک ہے جس سے اللہ کی شان بہت بلند ہے۔

(د)جب پکارنا بھی عبادت ہے تو دوسروں کو پکارنا، خواہ کوئی ہو، اس کو اللہ بنانا ہے۔[1]

مثالی معاشرہ کی تشکیل کے لیے مزید قرآنی اسلوب:

تاریخِ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے پیارے نبی سیدالمرسلین ﷺ جو دین لے کر آئے اس کا مقصد ایک مثالی اور فلاحی معاشرے کا قیام تھا۔ جس کا بیّن ثبوت قرآنِ حکیم میں جا بجا موجود رشد و ہدایت کے احکامات ہیں۔ سورۂ الحجرات کو ہی لیجئے، اس سورہ میں کم و بیش دس مقامات ایسے ہیں جن میں ایک بہترین معاشرہ کی تشکیل کے لیے تعلیمات دی گئی ہیں۔

۱۔ کسی خبر پر کوئی عمل کرنے سے پہلے اس خبر کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ○[2]

اے ایمان والو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو تکلیف پہنچادو، پھر تمہیں اپنے کیے پر پشیمان ہونا پڑے۔

۲۔ دو مسلمان بھائیوں یا گروہوں میں اگر جھگڑا ہو جائے تو ان کی صلح کرادیا کرو۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا۔[3]

اگر دو مسلمان گروہوں میں جھگڑا ہو جائے تو ان کے مابین صلح کرادیا کرو۔

۳۔ صلح کراتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے:

فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○[4]

پھر انصاف سے ان میں صلح کرادو اور عدل کرو، بیشک اللہ عدل کرنے

---

[1] راشدی، بدیع الدین شاہ، علامہ، توحیدِ خالص، مترجم: رفیق اثری (واہ کینٹ، دار الفکر الاسلامی، الطبعۃ الاولیٰ) ص: ۴۹۴۔

[2] الحجرات (۴۹) ۶۔

[3] ایضاً، ۹۔

[4] ایضاً، ۹۔

والوں کو پسند کرتا ہے۔

۴۔ مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اپنے مسمان بھائیوں کے مابین صلح کرادیا کرو۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۔ [1]

بے شک ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرادیا کرو۔

۵۔ آپس میں ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ يَسْخَرْ قَومٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلاَ نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ۔ [2]

اے ایمان والو! مرد ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور عورتیں ایک دوسری کا مذاق نہ اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو۔

۶۔ ایک دوسرے کی طعن و تشنیع نہ کیا کرو۔

وَلاَ تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ۔ [3]

اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔

۷۔ ایک دوسرے کو برے ناموں سے مت پکارو۔

وَلاَ تَنَابَزُوا بِالأَلْقَابِ۔ [4]

اور کسی کے برے نام نہ رکھو۔

۸۔ ایک دوسے کے بارے میں زیادہ گمان کرنے سے اجتناب کرو۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ۔ [5]

---

[1] ایضاً، ۱۰۔

[2] ایضاً، ۱۱۔

[3] ایضاً، ۱۱۔

[4] ایضاً، ۱۱۔

[5] ایضاً، ۱۲۔

اے ایمان والو! زیادہ گمان کرنے سے بچو۔ بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

۹۔ ایک دوسرے کے عیبوں کی جاسوسی میں نہ لگے رہا کرو۔

وَلَا تَجَسَّسُوا۔[1]

اور بھید نہ ٹٹولا کرو۔

۱۰۔ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔[2]

اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔

---

[1] ایضاً، ۱۲۔

[2] ایضاً، ۱۲۔